RANIGANJ GIRLS' COLLEGE

ڈیجیٹل دیوار گیر مجلہ،شعبہ اردو رانی گنج گرلز کالج

Urdu Department

Digital wall magazine: 2020-2021

سر سید احمد خان

SIR SYED AHMAD KHAN

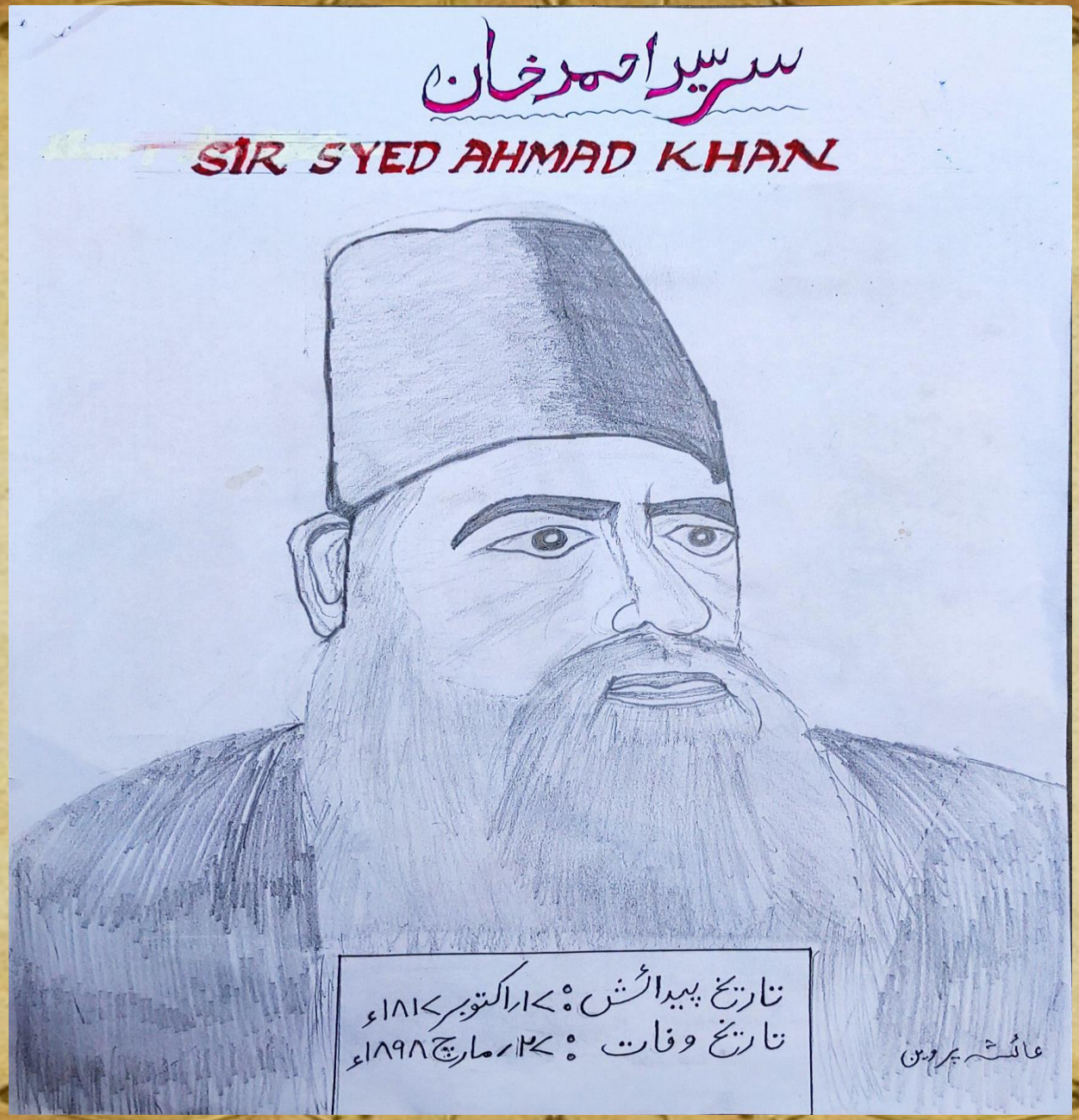

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
★ سرسید کی حیاتِ زندگی	4-8
★ سرسید اور علی گڑھ تحریک	9-11
★ سرسید اور اردو ادب	12-16
★ سرسید اور "اسباب بغاوت ہند"	17-18

سرسید حیاتِ زندگی

سر سید احمد خان 17 اکتوبر 1817ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ انکا خاندان دہلی کا ایک قدیم گھرانہ تھا۔ انکا شجرہ نسب امام محمد نقی سے جا ملتا تھا۔ سر سید کے مورث اعلیٰ ہرات سے ہندوستان آکر دہلی میں آباد ہوئے تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم روایتی انداز میں حاصل کی تھی۔ 19 برس کی عمر میں انکی شادی پاکیزہ بیگم سے ہوئی تھی جو نقیب اولیا خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ سر سید نے خاندان کی مخالفت کے باوجود انگریزی گورنمنٹ کی نوکری کی اور قلعہ سے اپنا تعلق منقطع کر لیا۔ 1839ء میں نائب منشی کے عہدے پر مقرر ہوئے 1840ء میں "جام جم" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا جس میں امیر تیمور سے بہادر شاہ ظفر تک کے حکمرانوں کے حالات قلمبند کیے تھے۔ انہوں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے دہلی کے گرد و نواح کے آثار قدیمہ کا مطالعہ کیا اور 1847 میں "آثار الصنادید" لکھی۔ جنوری 1857ء میں صدر امین کے عہدے بجنور میں فائز ہوئے۔ 1859ء میں مختلف ماخذوں سے مواد فراہم کر کے "رسالہ اسباب بغاوت ہند" لکھا۔ 1864ء میں غازی پور سے علی گڑھ چلے آئے اور 1866ء میں سائنٹفک سوسائٹی کا اخبار علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ جاری کیا۔ 1861ء میں سر سید کی رفیقہ حیات کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے دو فرزند تھے سید حامد اور سید محمود۔ انگلستان کے سفر کے دوران انگریزوں کی طرز تعلیم کا مشاہدہ کیا۔ واپسی پر 1870ء میں "رسالہ تہذیب الاخلاق" جاری کیا۔ انکا اہم تعلیمی کارنامہ 1875ء میں "مدرسۃ العلوم" کا قیام ہے۔ بہادر شاہ ظفر نے انکے موروثی خطاب جواد الدولہ میں عارف جنگ کا اضافہ کیا۔ لندن میں سر سید کو سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب دیا گیا تھا۔ 27 مارچ 1898ء میں آخری وفات ہوئی۔

یہ جذبہ ترقی کی بنیاد ہے۔ "ناامیدی اور مایوسی" کو وہ قوم کیلئے انتہائی مضر سمجھتے تھے۔ سرسید نے اپنے مشن میں بارہا ناکام ہونے کے باوجود اپنا کام جاری رکھا اور آخر ایک دن اپنی منزل کو پالیا۔ اپنے مضمون "امید کی خوشی" میں بڑی خوبصورتی سے مثالوں کے ذریعہ انہوں نے اس بات کو سمجھایا ہے۔ "رسم و رواج" کی پابندی کو سرسید نے بندر کی نقل سے تشبیہ دی ہے۔ انسان کو اپنا ہیکہ نقل کے بجائے عقل سے کام لے کر اچھی رسموں کو اختیار کرے اور بری رسموں کو رد کرے۔ کاہلی اور سستی بھی کسی کے نزدیک بھی اچھی چیز نہیں ہے۔ مگر سرسید نے "کاہلی و سستی" کو جسمانی محنت کے بجائے قلبی اور عقلی محنت کی کمی کو سمجھا تھا۔ دوسرے لفظوں میں دل، دماغ اور عقل کو قوم کے مفید کاموں میں استعمال کرے۔ "خوشامد" سرسید کے نزدیک دل کی بیماریوں میں سب سے زیادہ مہلک ہے۔ اسکی وجہ سے انسان خود غرضی اور مطلب پرستی کا شکار ہو جاتا ہے۔ "ریاکاری" کو انہوں نے تہذیب اور معاشرت کا دشمن بتایا ہے۔ ریاکاری ظاہر و باطن کو الگ کرتی ہے۔ ریاکاری آدمی آسانی سے اپنے دوست کو دھوکہ دے سکتا ہے۔ "بحث و تکرار" بھی سرسید کے نزدیک ایک اچھی چیز نہیں۔ اس سے دلوں میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے اور "تعصب" کو سرسید بدترین خصلتوں میں سے ایک خصلت بتاتے تھے۔ یہ نیکیوں کو برباد اور خوبیوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ عدوانصافی اسکی وجہ سے جاتا رہتا ہے۔

اُن چند انتہائی اہم اور قابلِ غور معاشرتی خرابیوں کی طرف سرسید نے توجہ مبذول کرائی ہے جن کو دور کر کے قوم ترقی کر سکتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہیکہ یہ برائیاں ہمارے سماج میں پنپ رہی ہیں جس کو سرسید نے محسوس کر کے بلا خوف لکھا، بتایا اور دور کرنے کی حتی المقدور کوشش کی۔

تعلیمی نظام پر سرسید کا رول

سرسید کا سب سے بڑا کارنامہ ہندوستانی مسلمانوں کو جدید تعلیم کی طرف راغب کرنا ہے۔ وہ قوم کے سارے امراض کا علاج، مغربی تعلیم میں تلاش کرتے ہیں۔ 1857ء کے بعد ملک کے حالات تیزی سے بدل گئے۔ انداز فکر، رہن سہن، تعلیمی نظام اور نصاب کے علاوہ ہر چیز پر اسکے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ اب اگر ملازمتوں کو حاصل کرنا ہے، سماج میں بہتر زندگی گذارنا ہے، حکومت میں اپنی رسائی حاصل کرنا ہے، تجارت، صنعت و حرفت کے شعبوں میں ترقی کرنا ہے تو جدید تعلیم سے منھ موڑ نہیں سکتے۔ لیکن مسلمانوں کے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ صدیوں تک حکومت انکے پاس تھی انکے علوم اور زبان کو دیگر اقوام سیکھ اور پڑھ رہے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اپنی زبان اور علوم کو ترک کرکے دوسرے علوم اور زبان کو سیکھنا پڑ رہا تھا۔ اسکے لئے اتنی جلدی سے یہ آمادہ نہیں تھے۔ سرسید نے وقت کے تقاضے کو سمجھا اور لاکھ مخالفتوں کے باوجود اپنے مشن میں لگے رہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اب مسلمانوں کے جدید تعلیم و علوم پڑھنے پڑیں گے۔ ابتداء میں سرسید نے ہندو اور مسلمانوں کی تعلیم کیلئے کوشش کرتے رہے مگر راجہ رام موہن رائے نے بہت پہلے ہی ہندوؤں میں بیداری پیدا کردی تھی اور انکے سامنے مسلمانوں کی طرح کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ پہلے عربی اور فارسی پڑھتے تھے اب انگریزی پڑھنے میں انہیں کیوں کر جھجھک محسوس ہوگی۔ البتہ سرسید نے اپنے ادارے کے دروازے غیر مسلموں پر بھی کھلے رکھے جس طرح مسلمانوں پر۔

عورتوں کی تعلیم کی طرف سرسید نے خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ اسکے مخالف تھے بلکہ انکا کہنا تھا کہ مرد جب تک تعلیم یافتہ نہ ہوں عورتوں کی تعلیم کی طرف توجہ نہیں کی جاسکتی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مسلمان اپنی لڑکیوں کو اسکول بھیجنے پر آمادہ نہیں تھے۔ جہاں تک ابتدائی تعلیم کی بات ہے اسکا خاکہ بھی سرسید کے ذہن میں تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ پورے ملک میں

ابتدائی تعلیم کے ادارے قائم ہوں۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے 1886ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی۔ بہر حال سر سید کی پیہم کوششوں کا نتیجہ تھا کہ مسلمان بالآخر تعلیم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

سر سید نے کم عمری میں ہی لکھنا شروع کر دیا تھا اور یہ سلسلہ وفات کے دو دن پہلے تک چلتا رہا۔ آخری مضمون تہذیب الاخلاق میں اردو کی حمایت میں لکھا تھا جبکہ آغاز اپنے بڑے بھائی کے اخبار "سید الاخبار" سے کیا۔ انکی پہلی کتاب "رسالہ القلوب بذکر محبوب" ہے۔ انہوں نے تقریباً ہر موضوع پر قلم اٹھایا۔ تاریخ کی تین اہم کتابوں "آئین اکبری"، "تاریخ فیروز شاہی" اور "تزک جہانگیری" کو مرتب کیا۔ دہلی کی عمارتوں کا تفصیلی جائزہ "آثار الصنادید" میں لیا ہے۔ انقلاب 1857ء سے تعلق سے "تاریخ سرکشی بجنور" اور "اسباب بغاوت ہند" تحریر کی۔ مذہب پر کئی کتابیں لکھیں۔ ان میں "تفسیر قرآن"، "تفسیر انجیل" "(تبیین الکلام)" "خطبات احمدیہ"، "ابطالِ غلامی" وغیرہ اہم ہیں۔ کل ملا کر چالیس سے زائد کتابیں سر سید نے تحریر کیں۔

سر سید نے اپنے تمام مضامین میں انشا پردازی کا کمال دکھایا ہے۔ فطرت کی سچی تصویر کشی، دور اندیشی، اثر پذیری، حقیقت نگاری، افادیت پسندی وغیرہ انکی تحریروں کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ ایک بڑا وصف انکی تحریروں کا یہ بھی ہے کہ علمی اصطلاحات، الفاظ اور تعلیمات کو بڑی سادگی، صفائی اور دل آویزی سے ادا کیا ہے۔

شاعری سے سر سید کی طبیعت کو مناسبت نہیں تھی۔ البتہ ان نقائص کی نشاندہی کی ہے جو ہماری شاعری میں راہ پا گئے۔ شاعروں کو مفید مشورے بھی دیئے۔ سر سید کی یہ بڑی تمنا تھی کہ شاعری سے قوم کو بیدار کرنے کا کام لیا جائے چنانچہ حالی سے انہوں نے "مسدس مد و جزر اسلام" لکھوائی جو آج تک اپنی اثر انگیزی، مضمون آفرینی، سادگی اور خلوص کی وجہ سے اتنی ہی مقبول ہے جتنی پہلے تھی۔ مجموعی طور سے دیکھا جائے تو سر سید کی کوششوں سے ادب کی دنیا میں انقلاب برپا ہو گیا اور کچھ ہی دنوں میں نظم و نثر کا ایسا سرمایہ فراہم ہو گیا جس پر فخر کیا جا سکتا ہے۔

یکم اپریل 1869ء کو سرسید انگلینڈ روانہ ہوئے۔ گرچہ اس سے پہلے اپنی تصنیفات اور سائنٹفک سوسائٹی کے اخبار انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں لکھے گئے اخلاقی اور معاشرتی مضامین کے ذریعہ انہوں نے اصلاح کا کام شروع کر دیا تھا۔ مگر اکتوبر 1870ء میں انگلینڈ سے واپس ہوئے تو انکے ذہن میں سماجی اصلاح اور تعلیمی نصب کا ایک واضح خاکہ موجود تھا۔ انہوں نے "محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ" قائم کر کے تعلیمی مشن کو عملی جامہ پہنایا پھر "تہذیب الاخلاق پرچہ" جاری کر کے سماجی اصلاح کا کام انجام دیا۔

تہذیب الاخلاق جسے "محمڈن سوشل ریفارمر" بھی کہتے تھے، کا مقصد یہ تھا کہ قوم میں جدید زندگی کے مسائل کو سمجھنے کیلئے صلاحیت بیدار ہو جائے نیز ان تمام خرابیوں کو دور کیا جائے جو سماج کو گھن کی طرح کھا رہی ہے۔ سرسید نے تہذیب الاخلاق کی اشاعت میں سماجی اصلاح سے متعلق 29 نکات پر مشتمل ایک پروگرام پیش کیا تھا جن میں چند نکات درج ذیل ہیں:۔

سب سے پہلے "آزادی رائے" کو سرسید ضروری سمجھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ بدبختی سے دنیا دین کو غارت کر دیتی ہے اسی طرح خوبختی سے دنیا دین کو سنوار بھی دیتی ہے۔ "دین اور دنیا" کی تفریق کو وہ غیر ضروری سمجھتے تھے۔ انکا کہنا تھا کہ انسان کو آزادانہ رائے دینے کا حق ہو تو دنیا کی آدھی برائیاں ختم ہو جائیں گی۔ دین اور دنیا کے بارے میں سرسید کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ ایک ہاتھ میں قرآن دوسرے میں جدید علوم اور سر پر لا الہ الا اللہ کا تاج ہو۔ سرسید قوم میں "خود اعتمادی" پیدا کرنا چاہتے تھے۔ انکا مفہوم انکے نزدیک یہ تھا کہ دوسروں کے دست نگر نہ ہوں اور اپنے مسائل آپ حل کرنا سیکھیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب "اپنی مدد آپ" کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ اپنی مدد آپ سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص اپنی ترقی کیلئے اپنی استطاعت کے مطابق خود کسی بیرونی امداد کا انتظار کیے بغیر کوشش کرے۔

سر سید اور علی گڑھ تحریک

سر سید احمد خان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اردو کو اجتماعی مقاصد کا ترجمان اور علمی مطالب کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ اس لئے اگر ان کے دور کو اردو نثر کا دورِ جدید اور ان کو اس دور کا مجدد اعظم کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ان کا بنیادی مقصد مسلمانانِ ہند کی فلاح و بہبود اور تعلیم و تربیت تھا۔ انہوں نے تقریروں کے ساتھ ساتھ اپنی تحریروں کے ذریعے بھی ملک و قوم کے علاوہ زبان و ادب کی اہم خدمات انجام دیں۔ انہوں نے خود بھی بہت کچھ لکھا اور دوسروں سے بھی لکھوایا۔ ان کی تصنیف کی فہرست بڑی طویل ہے۔ مختصر یہ ہے کہ سر سید کی فکری کوششوں کی بدولت نہ صرف خیالات میں تبدیلی پیدا ہوئی بلکہ عبارت آرائی کے قدیم انداز کا رواج کم ہوا، بھاری، موٹے اور غیر ضروری الفاظ کے بوجھ سے زبان آزاد ہوئی۔ انہوں نے اردو علم و ادب کا کوئی پہلو اور موضوع ایسا نہیں چھوڑا جس پر انہوں نے کچھ نہ کچھ تحریر نہ کیا ہو۔ انہوں نے اردو کو علمی زبان بنا دیا۔

علی گڑھ تحریک کی بنیاد سر سید احمد خان نے ڈالی - یہ تحریک اردو ادب میں فعال اور کار آمد ثابت ہوئی ہے - علی گڑھ تحریک بنیادی طور پر ایک اصلاحی تحریک تھی جس کا مقصد مسلمانوں میں پائے جانے والے عیوب و نقائص کو دور کر کے انہیں فلاح و بہبود کے راستے پر گامزن کرنا تھا - سر سید اس تحریک کے روح رواں تھے - سر سید کا دور مسلمانوں کی پستی اور انتشار کا دور تھا - اس دور کے مسلمانوں میں دنیا بھر کی برائیاں اور خرابیاں موجود تھیں ان میں سے ایک طرف جہالت، بے علمی اور بے حسی تھی تو دوسری طرف سستی، کاہلی، چاپلوسی، خوشامد، تعصب اور ریاکاری جیسے عیوب بھی موجود تھے - سر سید کی ان سارے مسائل پر نظر تھی -

سر سید نے انگریزوں کو قریب سے دیکھا تھا - انگریز عہدہ داروں کے ساتھ انہوں نے چھوٹی بڑی متعدد خدمات پر کام کیا تھا - 1857ء کے ہنگامی حالات میں انسانی ہمدردی کے جذبے سے انہوں نے بعض انگریز عہدہ داروں اور ان کے اہل خانہ کی جانیں بچائی تھیں - انگریزوں کی تہذیب و تمدن، اخلاق و معاشرت اور علوم و فنون میں جو باتیں قابل

تعریف تھیں سرسید انہیں بھی اچھی طرح سمجھتے تھے۔
1857ء کے واقعات کے بعد ہندوستانی دانشوروں نے محسوس کیا۔ 1857ء کی جدوجہد آزادی میں ہندوستان کے سبھی طبقوں میں انگریزوں سے مقابلہ کیا تھا تاہم مسلمانوں کا طبقہ سب سے زیادہ معتوب بنا۔ انگریزوں کو اس بات کا احساس تھا کہ انہوں نے مسلمانوں سے اقتدار چھین لیا ہے اور اسی طبقہ نے انہیں اقتدار سے ہٹانے کی جی توڑ کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں نے انتقامی کاروائی کے طور پر مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھ اپنا نشانہ بنایا۔ سرسید نے مسلمانوں کے کھوئے ہوئے وقار کو واپس لانے کے لئے زندگی بھر جدوجہد کی۔ یہی جدوجہد علی گڑھ تحریک کہلاتی ہے۔ چونکہ سرسید اس کے محرک اور نمائندے تھے اس لیے اس تحریک کو سرسید تحریک بھی کہا گیا۔

سرسید نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا۔ انہیں جذبہ فکر و عمل سے روشناس کیا۔ اور ان میں پائے جانے والی کوتاہیوں اور برائیوں کی اصلاح کی۔ علی گڑھ تحریک اور سرسید کی کوشش کسی ایک میدان تک محدود نہیں تھیں بلکہ مذہب، تعلیم، معاشرت اور ادب یعنی مسلمانوں کے جملہ مسائل حیات پر محیط تھیں۔

علی گڑھ تحریک نے اردو ادب کو بھی متاثر کیا۔ زبان و بیان کی صناعی اور آرائش کے مقابلے میں خیال اور مواد کی اہمیت پر زور دیا۔ مغربی ادب سے استفادہ کرنے اور اس کی خوبیوں کو اپنانے اور خامیوں کو دور کرنے کی تلقین کی۔

سرسید اور اردو ادب

سرسید احمد خان ایک مختلف الجہات شخص تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں سیاسی، تعلیمی، ادبی، تحقیقی اور مذہبی غرض ہر قسم کے علمی اور قومی مشاغل میں حصہ لیا۔ انہوں نے نہ صرف علمی میدان میں اپنا گہرا نقش بٹھایا بلکہ ہر جگہ دیرپا اثرات چھوڑا۔ جہاں تک اردو زبان و ادب کا تعلق ہے تو وہ اردو کے اولین معماروں میں تھے۔ تعلیمی معاملات میں ان کے خاص نظریات نے علی گڑھ تحریک کی صورت اختیار کی اور دینیات میں بھی انہوں نے فکر و تصور کے نئے راستے دریافت کیے۔ غرض علم و عمل کے تقریباً ہر شعبے میں ان کی عظیم شخصیت نے مستقل یادگار چھوڑی ہے۔

سرسید کے کاموں کی فہرست لمبی ہے۔ اردو زبان و ادب سے انکی دلچسپی سب سے زیادہ رہی ہے۔ انہوں نے نہ صرف اردو زبان و ادب کی حفاظت کی بلکہ اسے غیر معمولی ترقی دے کر اردو ادب کے نشو و نما و ارتقاء میں نمایاں حصہ لیا۔ انہوں نے اردو ادب کو اجتماعی مقاصد سے روشناس کرایا اور اسے عام فہم، آسان اور سلیس بنا کر عام اجتماعی زندگی کا ترجمان بنایا۔ ان سے پہلے نثر میں عام طور پر مضمون و معنی کو ثانوی اور طرزِ بیان کو اولین اہمیت دی جاتی تھی۔ مگر انہوں نے مضمون کو اولیت عطا کی۔ تکلف اور تصنع، بوجھل الفاظ اور عبارات آرائی کے خلاف ریزوں سے مالا مال کر دیا۔ بقول سرسید خود لکھتے ہیں:

"ہم نے انشا پردازی کا ایک ایسا طرز نکالا ہے جس میں ہر بات کو صاف صاف، جیسی کہ دل میں موجود ہو، منشیانہ تکلفات سے بچ کر، راست پیرایہ میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور لوگوں کو بھی تلقین کی ہے۔"

دراصل سرسید "ادب برائے ادب" کے قائل نہیں بلکہ وہ ادب کو مقصدیت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ سرسید کسی خاص طبقہ کے لیے نہیں لکھتے۔ بلکہ اپنی قوم کے سب افراد کے لیے لکھتے ہیں۔ جن کی وہ صلاح کے خواہاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عوام سے قریب تر ہونے کے لیے انہوں نے تکلف اور تصنع کا طریقہ اپنانے سے گریز کیا اور سہل نگاری کو اپنا شعار بنایا ہے۔ کیونکہ وہ مضمون نگاری میں اپنے دل کی بات دوسرے کے دل تک پہنچانے کے خواہاں ہیں۔

سرسید نے "تہذیب الخلاق" کی اشاعت سے بہت پہلے یعنی ۱۸۶۷ء میں اردو زبان کے حوالے سے دو مضامین قلم بند کیے تھے، ایک "اردو زبان اور اس کا ادنیٰ" اور دوسرا "اردو زبان اور اس کا بیان"۔ مذکورہ دونوں مضامین میں انہوں نے تحقیقی و تنقیدی نقطۂ نظر سے اردو زبان اور اس کے اسالیب سے بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ اردو زبان اور اس کے اسالیب سے بحث کی ہے میں غیر زبان کے الفاظ کے استعمال پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے۔ جب علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ (پہلی اشاعت ۳۰ مارچ ۱۸۶۶ء) اور "تہذیب الخلاق" (پہلی اشاعت ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء) کی اشاعت ہوئی تو سرسید نے کئی ادبی اور تمثیلی مضامین لکھے۔ آدم کی سرگزشت، امید کی خوشی، گزرا ہوا زمانہ، ہماری زبان، تعصب، انسان و حیوان، علامات قرأت، سراب حیات، بحث و تکرار، موجودہ تعلیم، نئی تہذیب، کاہلی، اپنی مدد آپ، تعلیم و تربیت، سیمیں، وغیرہ ایسے مضامین ہیں جن میں انشا پردازی کا ایک نیا رنگ دیکھنے کو ملتا ہے۔ گزرا ہوا زمانہ اور امید کی خوشی میں جو انداز اسلوب سرسید نے اختیار کیا تھا اسی سے بعد کے زمانے میں فکشن کی زبان کے لیے راہ ہموار ہوئی۔

سرسید احمد خان نہایت بے تکلفی سے بات کرنے کے عادی ہیں۔ وہ

عام مضمون نگاروں کی طرح بات کو گھما پھرا کر بیان کرنے کے قائل نہیں۔ ان کی تحریریں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ان میں آمد ہے آورد نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ فی البدیہہ بات چیت کر رہے ہیں۔ یہ بات ان کی تحریروں میں بے ساختگی کا ثبوت ہے۔ لیکن بعض ناقدین کے خیال میں ان کی بے ساختگی کی وجہ سے ان کی تحریر کا ادبی حسن کم ہو گیا۔ لیکن یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ جب آدمی بے ساختہ طور پر باتیں کرتا ہے، تو وہ فقرات اور تراکیب کو مدنظر نہیں رکھتا۔ اس کی باتیں ادبی محاسن کی حامل ہوں، نہ ہوں ان میں بے ساختگی کا عنصر ضرور شامل ہوتا ہے۔ یہی سرسید احمد خان کا مقصد خود کو ایک ادیب منوانا نہیں تھا۔ بلکہ تحریروں کے ذریعے اپنی بات دوسروں تک پہنچانا تھا۔ سرسید کی بے ساختگی کا نمونہ دیکھیے، وہ اپنے مضمون 'امید کی خوشی' میں لکھتے ہیں۔

"تمہارے ہی سبب سے ہمارے خوابیدہ خیال جاگتے ہیں۔ تمہاری ہی برکت سے خوشی، خوشی کے لیے۔ نام آوری، نام آوری کے لیے، بہادری، بہادری کے لیے۔ فیاضی، فیاضی کے لیے۔ محبت، محبت کے لیے۔ نیکی، نیکی کے لیے تیار ہے۔ انسان کی تمام خوبیاں اور ساری نیکیاں تمہاری ہی تابع اور تمہاری ہی فرمان بردار ہیں۔"

سرسید کے مضامین میں مقصد کا عنصر غالب ہے اور وہ ہمیشہ اپنے مقصد ہی کی بات کرتے ہیں۔ اور اپنے مدعا چھپاتے نہیں بلکہ صاف صاف بیان کر دیتے ہیں۔ کوئی مضمون تحریر کرتے وقت وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ ایک بلند پایہ ادیب ہے۔ وہ صرف یہ یاد رکھتے ہیں کہ وہ ایک مصلح قوم ہے۔ اس ضمن میں وہ اپنے

نظریات کو واضح طور پر بیان کر دینے کے عادی ہے - ان کی تحریروں میں مقصدیت و افادیت کا عنصر اس حد تک غالب ہے کہ انہیں زبان کی حسن، ادب کی نزاکت و جمال پر توجہ دینے کا موقع ہی نہیں ملتا - نزاکتِ خیال اور خیال آفرینی ان کے نزدیک تضیع کاری ہے - جو عبارت کا مفہوم سمجھنے میں دماری کے لیے دقت کا موجب بنتی ہے :

سرسید کے زیادہ تر مضامین سنجیدہ ہوتے ہیں، وہ چونکہ ادب میں افادیت کے قائل ہیں، اس لیے ہر بات پر سنجیدگی سے غور کرتے اور اسے سنجیدہ انداز ہی سے بیان کرتے ہیں - اکثر مقامات پر ان کے مصلحانہ اندازِ فکر نے ان کی تحریروں میں اس حد تک سنجیدگی پیدا کر دی ہے کہ شگفتگی کا عنصر غائب ہو گیا ہے - بقول سید عبداللہ

"سرسید کے مقالات کی زبان عام فہم ضرور ہے - ان کا اندازِ بیان بھی گفتگو کا اندازِ بیان ہے مگر سنجیدگی اور متانت شگفتگی پیدا نہیں ہونے دی - البتہ ایسے مقامات جن میں ترغیبی عنصر کی کمی ہے -"

سرسید کے فقروں اور پیراگراف میں تناسب اور موزونیت کی کمی ہے - جملے طویل ہیں - انگریزی الفاظ کا استعمال بھی طبع نازک پر گراں گزرتا ہے - لیکن ان سب باتوں کے باوجود ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ سرسید کی تحریریں ادبیت سے خالی ہیں - خلوص اور سچائی ادب کی جان ہے - سرسید کی اکھڑی اکھڑی تحریروں، بے ڈھنگ اور بے کیف جملوں بوجھل تفصیل اور طویل عبارتوں کو پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ لکھنے والا، محسوس کر کے لکھ رہا ہے - کسی جذبے کے تحت لکھ رہا ہے - اس

کے پیشِ نظر نہ کوئی ذاتی غرض ہے اور نہ اسے کسی سے کوئی بغض و عناد اور ذاتی رنجش ہے۔ ان کی تحریروں کو دیکھ کر جہاں تک ہم سچائی محسوس کرتے ہیں جو دل پر اثر کرتی ہے۔

سر سید احمد خان کا محبوب مشغلہ تصنیف و تالیف اور مطالعہ تھا پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ شعر و ادب کی ترقی کے لیے کوشش نہ کرتے۔ اردو نثر نظم کی خامیوں سے وہ پوری طرح واقف تھے۔ اردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے انھوں نے اہلِ قلم کو بہت سے مفید مشورے بھی دیے۔ نورالحسن نقوی لکھتے ہیں:

"وہ ادب کے مقصدیت و افادیت کے علمبردار تھے۔ وہ فصے کہانیاں جو محض وقت گزاری کا ذریعہ ہو اور وہ شاعری جس کا مقصد صرف لطف اندوزی ہو ان کے لیے قابلِ نفرت تھے۔ وہ سلا دینے والے نہیں، بیدار کرنے والے شعر و ادب کے قائل تھے۔"

(سر سید اور ان کے کارنامے، نورالحسن نقوی، صفحہ نمبر ۶۹)

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ سر سید احمد خان کے کارناموں میں ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ ان کا ادبی سرمایہ خالص ادبی معیار سے قابلِ ذکر ادب میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ ان کی انشا پردازی، طرزِ بیان، ان کی نثر اور ان کی مقالہ نگاری، غرض ان کا کل سرمایہ تحریر اردو زبان و ادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔

سرسید اور "اسباب بغاوت ہند"

سرسید احمد خان کی پوری زندگی ہی قومی ہمدردی اور حب الوطنی سے عبارت ہے۔ ان کی حب الوطنی اور قومی ہمدردی کی ایک مثال ان کی کتاب "اسباب بغاوت ہند" ہے۔ جو 1858ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں 1857ء کی پہلی جنگ آزادی کے اسباب و علل کو زمینی سطح پر پیش کیا گیا ہے۔ 1857ء کی جنگ یا بغاوت کی اصل وجوہات کو انھوں نے انگریز حکمرانوں کے سامنے مدلل انداز میں پیش کرنے کی جرأت کی۔ انھوں نے ہندوستانی عوام کو بے قصور بتاتے ہوئے بغاوت کی، ہندوستانی عوام بالعموم اور مسلمانوں پر بالخصوص کیے جانے والے مظالم کی روک تھام کی کامیاب کوشش کی۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ بتاتی چلوں کہ 1857ء کی لڑائی کو بغاوت اور جنگ آزادی کا نام دینے میں بہت فرق ہے۔ بغاوت کہنے کی صورت میں ہم اس لڑائی کی صحیح تشکیل نہیں کرتے۔ جبکہ اکثر ہندوستانیوں نے اسے آزادی کی پہلی لڑائی قرار دیا ہے۔ وی ڈی ساورکر نے اسے اپنی کتاب "دی انڈین وار آف انڈی پینڈنس" میں جنگ آزادی کا نام دیا ہے۔ کارل مارکس نے بھی اپنی کتاب "دی فرسٹ انڈین وار آف انڈی پینڈنس" میں 1857ء کی لڑائی کو جنگ آزادی کا نام دیا ہے۔ ہم اس پہلو کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اس وقت کی سیاسی صورت حال کا تجزیہ کرنے کے بعد مجھے ایسا لگتا ہے کہ سرسید نے شعوری طور پر اس کا نام بغاوت ہند رکھا گیا۔ کیونکہ جنگ آزادی کا نام دینے سے مشکل تھا۔ انگریز پہلی فرصت میں اس کتاب میں لکھی گئی باتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور بہت ممکن تھا اس کتاب میں حکومت کے خلاف لکھی گئی باتوں کا اتنا اثر نہ ہوتا جتنا کہ سرسید کو توقع تھی۔

سرسید نے واضح طور پر لکھا ہے کہ حکومت کی غلط پالیسی ہی اس بغاوت کی سب سے بڑی وجہ تھی۔ انگریزوں کی بے راہ روی سلسلہ میں 1857ء

واقعہ رونما ہوا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے وقت میں جبکہ پرندے بھی اپنے پروں کو سمیٹے ہوئے اڑ رہے تھے۔ ہوائیں سہمی ہوئی سی چل رہی تھیں۔ ایسے میں سر سید نے انگریزوں کو مورد الزام ٹھہرانے کی ہمت کہاں سے جٹائی؟ ہم سب سے اچھی طرح واقف ہیں۔ 1857ء کی جنگ آزادی سے پہلے جنگ تھی اور مورخوں نے اس کو ہی جنگ بنیاد قرار دیا ہے۔ اس لڑائی کے بعد ہندوستان پورے طور پر انگریزوں کے زیر اثر آ گئے تھے۔ انگریز اس جنگ سے اس قدر خوف زدہ تھے کہ انھوں نے ہندوستانی باشندوں کو طرح طرح سے پریشان کرنا شروع کر دیا۔ ظلم کے نئے انداز ایجاد کیے۔ اس بغاوت کے بعد خاص طور سے مسلمان انگریزوں کے نشانے پر تھے۔ انگریز حکومت کا یہ خیال تھا کہ اس بغاوت کے پیچھے مسلمانوں کی سازش تھی۔ کیونکہ اس وقت تک بہادر شاہ ظفر کو ہی ہندوستانی اپنا لیڈر تسلیم کرتے تھے۔ 1857ء کی بغاوت کی شروعات کیلئے بھی مسلمانوں سے اس قدر بدظن اور خفا تھے کہ بنا کسی ثبوت کے صرف شک کی بنیاد پر پھانسی کا فرمان جاری کر دیتے تھے۔ عام لوگوں کی بات چھوڑ دیں۔ خود شاہ ظفر کے بیٹوں کا سر قلم کر کے تھالی میں سجا کر ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اس بغاوت کے بعد انگریزوں نے اس قدر مظالم ڈھائے کہ ہندوستانی بری طرح سہم گئے تھے۔ کوئی آواز اٹھتی اسکو لمحوں میں خاموش کر دیا جاتا تھا۔ ہر طرف سکوت کی کیفیت جاری تھی۔ ایسے میں سر سید احمد خاں کا "اسباب بغاوت" لکھ کر انگریز حکومت کی خامیوں کو اجاگر کرنا کوئی معمولی عمل نہیں تھا۔

ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ اس کتاب کو تحریر کرنے کے اسباب و علل سر سید ان کی اصلاح چاہتے تھے۔ کیا سر سید احمد خاں اس وقت اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ جو ترقی انگریز حکومت کے زیر اثر ہندوستان میں ہو رہی تھی وہ بعد میں سو سال تک ممکن نہیں اور واقعی ہی کتنے ہی حکمران آئے لیکن کیا فرق کا ویسا انتظام قائم ہو پایا؟

معاونین و مجلسِ ادارت

سرسید کی حیات زندگی —— عائشہ خاتون، ایم۔اے۔اردو فرسٹ سمیسٹر

سرسید اور علی گڑھ تحریک —— نازیہ پروین، ایم۔اے۔اردو تھرڈ سمیسٹر

سرسید اور اردو ادب —— عائشہ خاتون، ایم۔اے۔اردو فرسٹ سمیسٹر

سرسید اور اسبابِ بغاوت ہند —— شمع صابرین، ایم۔اے۔اردو فرسٹ سمیسٹر

اساتذۂ شعبۂ اردو

ڈاکٹر محمد فاروق اعظم
ڈاکٹر شبنم حسین
ڈاکٹر محمد حکیم
ڈاکٹر ریشما خاتون
ڈاکٹر درخشاں انجم
محمد زبیر

شکریہ